© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

دعوتِ حق اور اقامتِ دین کی راہ ہمیشہ کانٹوں سے بھری رہی ہے۔ یہ کام نہ پہلے کبھی آسان تھا اور نہ آج یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اسکے لیے سعی کرنے والوں کو مخالفتوں اور مزاحمتوں سے دوچار نہ ہونا پڑیگا۔ ہم نے جب اس راہ میں قدم رکھا تھا تو کچھ یہ سمجھتے ہوئے نہیں رکھا تھا کہ ہمارے اقدام کا اعلان ہوتے ہی ہر طرف سے خیر مقدم کے نعرے بلند ہونگے اور ایک سہل راستے پر ہم خراماں بڑھتے چلے جائینگے۔ نہیں، پہلے ہی سے ہم یہ توقع رکھتے تھے کہ مزاحمتیں ہونگی اور شدید مزاحمتیں ہونگی، مخالفتیں پیش آئینگی اور سخت مخالفتیں پیش آئینگی، اس راستہ کا ایک قدم بھی کانٹوں سے زخمی ہوئے بغیر نہ طے کیا جاسکے گا۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ جس سمت سے مخالفت کی ابتدا ہوئی ہے اُدھر ہمارا وہم وگمان بھی کبھی نہ گیا تھا، اور ہمارے لیے اب تک یہ بات معمّا بنی ہوئی ہے کہ جس گوشے سے ہم رہنمائی و پیشوائی کے اور بر سبیل تنزل تائید و اعانت کے، اور کم سے کم ہمدردانہ سکوت کے متوقع تھے، سب سے پہلے وہیں سے مخالفت کی آواز بلند ہونے کا آخر سبب کیا ہے۔ ہمیں تو امید تھی کہ اسلامی انقلاب کے لیے ایک جماعت کی تشکیل کا نام سن کر کمیونسٹ اور سوشلسٹ کان کھڑے کرینگے، نیشنلسٹ چوکنے ہونگے، فرعونی اقتدار اپنے اسلحہ تیز کریگا، اور مسلمانوں میں سے اگر کوئی گروہ مقابلہ میں اٹھا بھی تو وہ مغربی جاہلیت سے ماؤف لوگوں کا گروہ ہوگا۔ مگر یہ دیکھ کر ہم حیران رہ گئے کہ جہاں جہاں سے ہم مخالفانہ پیش قدمی کا اندیشہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھتے تھے وہاں تو ابھی سکون ہے، اور حملہ کا آغاز اُس دیندار گروہ کی طرف سے ہو رہا ہے جس سے ہم اپنے آپکو بالکل مامون سمجھے بیٹھے تھے، اور اس حیرانی پر مزید حیرانی اس بات سے ہوئی کہ دیندار وں میں سے بھی خاص طور پر وہ حضرات سامنے آرہے ہیں جو پہلے سے خود بعینہٖ اُسی کام کی ضرورت ظاہر فرما رہے تھے جسے شروع کرنیکا ارتکاب ہم نے کیا ہے، اور جنکی نگاہ میں اس کام کے آغاز سے پہلے تک ہم اہلِ ضلال میں سے نہیں بلکہ اہلِ رشد و ہدایت میں سے تھے۔

یہ پہلا عجیب تجربہ ہے جو ہمیں اس راہ میں پیش آیا ہے۔

اس معاملہ پر ہماری حیرت بالکل فطری ہے۔ ہر شخص کو ایسی صورت میں حیرت ہی ہو گی جبکہ اسکی بستی میں چند دیندار بزرگ ایک مدت سے حج کی تمنا ظاہر کر رہے ہوں اور بار بار کہتے ہوں کہ کاش کوئی قافلہ یہاں سے زیارت کعبہ کے لیے تیار ہوتا، مگر جب چند اللہ کے بندے اسی بستی سے اکٹھے ہو کر قافلۂ حجاج بنانے کھڑے ہو جائیں تو وہی بزرگ سب سے پہلے خطرے کا الارم بجا دیں اور بستی کے لوگوں سے کہنے لگیں کہ ہوشیار رہنا، حج کے نام سے ایک بڑے فتنے کا سامان ہو رہا ہے، حالانکہ حج کا نام لینے سے چند روز پہلے تک یہی حضرات اُن قافلہ بنانے والوں کی نیک نیتی، راستبازی، اور واقفیت راہِ کعبہ پر گواہی دیتے رہے ہوں۔ ہمارے ساتھ بالکل یہی معاملہ پیش آیا ہے اس لیے ہم حیران ہیں اور ہماری حیرانی رفع نہیں ہو سکتی جب تک یہ حضرات ضمنی بحثوں میں بات کو الجھانے کے بجائے اصل مسئلہ پر صاف صاف گفتگو کر کے اپنے طرزِ عمل کے وجوہ بیان نہ کر دیں۔

زیادہ پیچھے جانے کی ضرورت نہیں، ابھی ایک ہی سال پہلے جناب مولانا عبدالماجد صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دریابادی نے آیۂ مبارکہ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا تھا:-

"یعنی قرآن کے ذریعہ سے جہاد کرو، مقصود اور مطمح نظر قرآن ہی کے قانون کو رکھو، قرآن ہی کو ہاتھ میں لے کر اٹھو، قرآن ہی کی راہ کا سب کو بلاوا دو، اور قرآن ہی کی منزل کی طرف سب کو بلاؤ۔ اس راہ پر لانے اور اس طرف بلانے میں جدوجہد یقیناً بہت سخت کرنی پڑے گی، جان کھپانی پڑے گی، لیکن راہ یہی ہے یہی، حکم ہے اسی کا...... اسی مضمون کو مختلف پیرایوں میں اور مختلف عنوانات سے ادا کرنے والی آیتیں دو چار نہیں، پچاسوں بلکہ سینکڑوں ہیں۔ یہ حکم اگر عارضی اور پہلی صدی ہجری یا چھٹی صدی عیسوی کے ساتھ مخصوص تھا جب تو خیر۔ لیکن اگر آپ کے عقیدہ میں ہر ملک، ہر قوم، ہر زمانہ کے لیے ہے تو آج آپ کیوں قرآنی حکومت کی توسیع و ترویج کے لیے مضطرب نظر نہیں آتے؟ آپکو یہ کیا ہو گیا ہے جو آج آپکے دل میں تڑپ قرآنی حکومت کی عالمگیری کی نہیں؟......" (صدق - ۹ر دسمبر ۴۰ء)

پھر چار مہینے بعد آپ نے لکھا:

"مسلمان کا سیاسی آئیڈیل (مطمح نظر) ہونا کیا چاہیے؟ جواب جامع اور دو لفظی صرف ایک ہی ہے، یعنی اسلام کی حکومت، قرآن کی بادشاہت۔ بس اسکے سوا کوئی اور نصب العین نہ ممکن ہے، نہ اب تک پیش ہوا ہے...... اس حقیقت کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد اُس طبقہ کی غلطی اور غلط روی از خود واضح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جاتی ہے جس نے اس سے کمتر کسی نصب العین پر قناعت کرلی ہے، یا کسی غیر اسلامی حکومت کو تسلیم کر کے اسکے اندر مسلمان نامی ایک قوم کی محض دنیوی سربلندی و خوشحالی کو اپنا مقصود بنا رکھا ہے ..... سارا غلط مبحث لفظ آزادی سے پیدا ہوا ہے - غیر مسلم ہندوستانیوں کے نزدیک اسکے معنی ہیں غیر ملکی حکومت، پردیسی حکومت کے قانون سے مخلصی - مسلم ہندوستانی کے نزدیک اسکے معنی وہی ہو سکتے ہیں جو مسلم عرب، مسلم ترک، مسلم مصری، مسلم جاپانی، مسلم انگریز کے ذہن میں ہونگے، یعنی غیر اسلامی نظامت حکومت سے رہائی، خواہ یہ غیر اسلامی حکومت کسی کی بھی ہو، عیسائی کی ہو، یہودی کی ہو، ہندو کی ہو، مجوسی کی ہو، ملحد کی ہو، مشرک کی ہو، محض نام کے مسلمان کی ہو، یا ان میں سے دو یا تین کی مشترک ہو ..... مسلمان کو بیزاری جو کچھ بھی ہے وہ کفر سے ہے - انگریز بیزاری، ہندو بیزاری یا کوئی اور بیزاری ہرگز اسکا دین نہیں ..... تو خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کے لیے اپنی ایک مرکزی انجمن پر اتحاد لازمی ہے، خود اس انجمن کی تشکیل صحیح اسلامی طور پر ہونی چاہیے، مقصود اصلی ہر حال میں اعلاء کلمۃ اللہ اور حکومت الٰہی کی عالمگیری رہے" (صدق، اپریل ۴۱ء)

پھر ۲۸ جولائی ۱۹۴۱ء کے صدق میں آپ نے نازی جرمنی کے بچوں کا طرز تعلیم و تربیت بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

"سنتے ہیں کسی زمانہ میں آپ بھی ایسے ہی تھے - آپکی زندگی کی غرض صرف ایک تھی، اغراض بصیغۂ جمع نہ تھے - مقصد ہستی آپ کا صرف ایک تھا، مقاصد بصیغۂ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمع سے آپ آشنا نہ تھے۔ آپکا جینا اور آپکا مرنا، آپکا سونا جاگنا، آپکا پڑھنا لکھنا، آپکا ہنسنا اور رونا، آپکی دوستی اور دشمنی، آپکی جنگ و صلح صرف کلمۃ اللہ کی بلندی کے لیے، صرف خدمت دین کے لیے تھی۔ آپ فلسفہ پڑھتے تھے تو اسی لیے کہ مسلمان فلسفی اور متکلم بن کر نکلیں اور سائنس سیکھتے تھے تو اسی لیے کہ مسلم سائنٹسٹ کی حیثیت سے چمکیں۔ ایک دُھن تھی اور ایک تڑپ، اور لگن تھی اشاعت توحید کی، اقامتِ شریعت کی ـــــ کیا اب یہ ناممکن ہے کہ ہم از سر نو ایمان لائیں اور جو کچھ بھی کریں، جو کچھ بھی پڑھیں، جو کچھ بھی سیکھیں، سب کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کی تشریح کے لیے، توضیح کے لیے وقف ہو؟"

ایسے ہی خیالات جناب مولانا سید سلیمان ندوی دو تین سال سے مسلسل ظاہر فرما رہے ہیں۔ مثلاً جنوری ۳۹ء کے معارف میں آنجناب نے لکھا تھا:

"ہمارے سامنے اسلام خود ایک بہت بڑی حقیقت اور صداقت ہے۔ وہ مذہب بھی ہے، سیاست بھی ہے، اقتصاد بھی ہے، معاشرت بھی ہے۔ اسکے مذہبی و سیاسی و اقتصادی و اجتماعی پیغاموں کو پھیلانا، مساوات اور عدل قائم کرنا، اسلامی احکام کی تبلیغ کرنا، دنیا سے سود، بدکاری، شراب خواری، قمار بازی اور ظلم کو جڑ پیڑ سے اکھاڑنا اور ملک میں ایک نیا سیاسی و اقتصادی نظام قائم کرنا اسکے وہ فرائض ہیں جن سے مسلمان غافل ہیں اور غیر مسلمان اسی کے لیے آج دنیا میں کٹ مر رہے ہیں ..... اب یہ خود ہمارا کام ہے کہ ہم آگے بڑھیں اور اپنا مکمل سیاسی و اقتصادی نظام دنیا کے سامنے پیش کریں اور اسکے لیے کم از

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کم وہ جذبہ دکھائیں جو اسپین میں جمہوریت اور فسزم کے حامی دکھا رہے ہیں۔ ... . . . آج زمانہ بدل گیا ہے تو اصطلاحیں بدل گئی ہیں لیکن حقیقت اپنی جگہ پر ہے۔ آج پھر اسلام کو اسی فرض کو ادا کرنا ہے۔ اگر آج کے کلمہ گو مسلمانوں میں اسکے اس ادائے فرض کے سپاہی بننے کا ولولہ نہیں تو کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ کسی اور قوم کو زندگی کے میدان میں لائے اور اس سے اسلام کا یہ فرض ادا کرائے۔ . . . . . . دنیا آج اپنی نجات کی راہ فسزم، نازی ازم، سوشلزم، کمیونزم، بالشوازم میں ڈھونڈ رہی ہے حالانکہ اسکا ایک ہی راستہ ہے اسلام ازم۔ لیکن وہ اسلام وہ نہیں جو آج عملاً مسلمانوں میں ہے بلکہ وہ جو قرآن و سنت میں ہے۔ آج کی وہ کونسی مشکلیں ہیں جنکا حل ان میں نہیں، ضرورت نئی نظر اور نئی قوت کی ہے''

پھر جنوری ۱۹۴۱ء میں آپ نے تحریر فرمایا:

''دنیا میں جو قوم بھی اپنے کو دنیا کی امامت و قیادت کے لیے پیش کرتی ہے وہ جب تک اپنے خون کے سمندر میں خود غوطہ نہیں لگاتی اس منزل کو نہیں پہنچ سکتی۔ اجتماعی ترقی کا ذریعہ صرف ایک ہی ہے اور وہ جہاد ہے، یعنی ہر پہلو کا جہاد، نفس کا جہاد، مال کا جہاد، علم کا جہاد، عقل کا جہاد، جسم کا جہاد اور اس راہ میں جان و مال، اولاد و عزیز اور ہر محبوب سے محبوب اور عزیز سے عزیز متاع کی قربانی۔ . . . . . . یہ تو مطلق جہاد کی راہ ہے۔ لیکن جہاد فی سبیل اللہ یعنی خدا کی راہ میں جہاد کی منزلیں تو اس سے بھی زیادہ کٹھن ہیں۔ . . . جہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے لیے نہیں بلکہ خدا کے لیے، خدا کے دین کے لیے اور خدا کے حکم کے لیے، قومیں نہیں، بندے اپنے آپ کو قربان کرتے ہیں کہ اللہ کی بات کا بول بالا ہو، تکون کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا اور وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہ، یعنی دین اور اطاعت صرف خدا کی ہو جائے ۔ ...... آج ضرورت ہے کہ ہم پھر اپنی آواز بلند کریں اور تھکی ماندی دنیا کو بتائیں کہ اس کا امن اور چین قومی و نسلی امتیازات اور تفوق میں نہیں بلکہ پیغامِ حق کے قبول میں ہے ۔ پیغامی برادری قائم ہو جس میں اس پیغام کے ہر قبول کرنے والے کو برابری کا درجہ ملے اور اس پیغام کے مقدارِ قبول اور اسکے لیے جدوجہد کی ذمہ داری کے قبول کو حقوق کی کمی و بیشی کا معیار بنایا جائے ۔ ...... لیکن یہ پوری طرح یقین کر لینا چاہیے کہ دنیا میں کسی پیغام یا کسی تحریک و دعوت کی کامیابی اس پیغام و دعوت کی صرف عمدگی سے نہیں ہو سکتی بلکہ اسکے علمبرداروں کی جدوجہد، سعی و محنت، سرگرمیٔ عمل اور ایثار و قربانی سے ہو سکتی ہے ۔ دنیا ایک بحرِ رواں ہے، اس بحرِ رواں میں وہی زندہ رہے گا جو خود بھی رواں ہے"۔

پھر فروری ۴۲ء میں آپ نے ارشاد فرمایا:

ہمارے صوبہ میں اسلام کے سیاسی اور اقتصادی نظام اور اصول کی ترتیب کے لیے جناب نواب صاحب چھتاری کی صدارت میں ایک چھوٹی سی مجلس بنائی گئی ہے ...... یہ طے پایا کہ مستند علماء اور لائق جدید تعلیم یافتہ اہلِ علم کی باہمی معاونت سے پہلے اسلامی سیاست و اقتصاد پر ایک معتبر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب تالیف کی جائے اور پھر اس میں سے اس حصہ کو الگ کیا جائے جو موجودہ زمانہ میں اور ہندوستان کی موجودہ صورتِ حال میں بھی قابلِ عمل ہو ..... لیکن اصل ضرورت اُن بیتاب قلوب کی ہے جو اس راہ میں سرفروشانہ آگے بڑھیں اور جو کہتے ہیں وہ کر بھی گذریں، یعنی جس اسلامی زندگی کی انہیں تلاش ہے اسکا پتہ جب پالیں تو اسکے حصول و عمل کو اپنی ہر قسم کی جدوجہد کا مرکز بنالیں"۔

تمام عبارات میں قابلِ توجہ فقروں پر خط میں نے کھینچ دیئے ہیں۔

ٹھیک اسی نوعیت کے خیالات تھے جو پچھلے تین چار سال سے یہ خاکسار بھی ظاہر کر رہا تھا۔ الفاظ میں، طرزِ تعبیر و انداز بیان میں، موادِ بحث اور جزئیات و فروع کے گوشوں میں فرق ضرور تھا، مگر مقصد اور اسکے طریق حصول کی بنیادی تفصیلات میں یک سر مو فرق نہ تھا۔ دونوں بزرگوں کی مندرجۂ بالا عبارتوں کو اور خصوصاً خط کشیدہ فقروں کو غور سے دیکھیے اور ترجمان القرآن میں پچھلے تین چار سال سے جو کچھ عرض کیا جاتا رہا ہے اسے بھی بہ نظرِ غائر ملاحظہ کیجیے۔ آپکو بیّن طور پر محسوس ہوگا کہ ہمارے نظریات میں کتنی وحدت تھی۔ ایک ہی مقصد تھا جس پر یہ حضرات بھی تمام مساعی کو مرکوز دیکھنا چاہتے تھے اور میں بھی چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے کس نوعیت کی جدوجہد ہونی چاہیے اور اس جدوجہد کی خصوصیات کیا ہونی چاہییں، ان امور میں بھی میرے اور ان حضرات کے درمیان پورا اتحاد خیال تھا۔ یہ حضرات بھی محسوس کر رہے تھے اور میں بھی محسوس کر رہا تھا کہ اس وقت مسلمانوں میں کوئی منظم گروہ ایسا موجود نہیں ہے جو اسی ایک مقصد پر اپنی مساعی کو مرکوز کر کے اس طرز کی جدوجہد کر رہا ہو۔ ان حضرات کو بھی یہ احساس تھا اور مجھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی تھا کہ وقت کی طلب اور فرض کی پکار یہ ہے کہ ایسا ایک گروہ تیار ہو۔

اسکے بعد کسر صرف اس چیز کی تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ اٹھتا اور اس کام کے لیے صحیح اسلامی بنیادوں پر ایک عملی نظام کا خاکہ پیش کرتا اور ہم خیالوں کو پکارتا کہ آؤ، ہم اُس راہ پر چل پڑیں جس پر چلنے کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔

یہ کام اگر ان دونوں حضرات میں سے کسی نے کیا ہوتا، یا قابلِ اعتماد بزرگوں میں سے کسی اور نے پیش قدمی کی ہوتی تو قسم بخدا کہ اُنکی پکار پر لبیک کہنے میں مجھے ذرا تامل نہ ہوتا۔ مجھ سے یہ نہ ہو سکتا تھا کہ میرے دل کی تمنا بر آتی کہیں نظر آئے اور میں دوڑ کر خود نہ پہنچوں۔ تاہم اگر کوئی وجہ بے اطمینانی کی ہوتی بھی تو میرے صدقِ تمنا کا کم سے کم تقاضا یہ تھا کہ میں خاموشی کے ساتھ کام کی رفتار دیکھتا اور ہمدردانہ نظر سے دیکھتا، مجھے تلاش بے اطمینانی کے اسباب کی نہیں، اطمینان کے اسباب کی ہوتی، میں دعائیں مانگتا کہ خدا کرے میرے شکوک غلط نکلیں اور میں اطمینان کے ساتھ اس کام میں شریک ہو سکوں جس کے لیے میرا اپنا دل بے چین ہے ـــ کسی کا بچہ اگر گم ہو گیا ہو تو وہ اس بات کا یقین کرنے کے لیے ہر ممکن سہارا ڈھونڈتا ہے کہ بچہ زندہ ہے۔ بچہ کی موت کا یقین کرنے کے وجوہ سوتیلی ماں تو ضرور تلاش کر سکتی ہے، مگر حقیقی ماں اسکے لیے پتھر کا کلیجہ کہاں سے لائیگی ـــ بہرحال میرے لیے یہ ناممکن تھا کہ اس کار خیر کے لیے دعوت کی پہلی آواز سنتے ہی مناع للخیر بننے پر کمر بستہ ہو جاتا۔

مئی ۱۹۴۱ء کے وسط تک میں انتظار کرتا رہا کہ جو لوگ علم میں، تقویٰ میں، تجربہ میں، سن و سال میں مجھ پر فوقیت رکھتے ہیں اُن میں سے کوئی صاحب اس کام کے لیے کوئی عملی اقدام فرمائیں اگر کہیں سے کوئی آواز نہ اٹھی۔ آخر کار محرم ۱۳۶۰ھ کے پرچہ میں (جو تاخیر اشاعت کے سبب سے ۲۶ مئی ۱۹۴۱ء کو شائع

[illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوا تھا) میں نے خود پیش قدمی کی اور جماعت اسلامی کے نظام اور پروگرام کا ابتدائی خاکہ پیش کیا۔ پھر صفر ۶۰ھ کے پرچہ میں (جو ۱۸ جولائی ۱۹۴۱ء کو شائع ہوا) میں نے یہ اعلان کیا کہ جو حضرات اس نصب العین سے اتفاق رکھتے ہیں اور اس طرز کا ایک نظام بنا کر عملی جدوجہد کرنا چاہتے ہیں وہ براہ کرم مجھے اطلاع دیں۔ میں نے شخصی طور پر کسی سے، حتیٰ کہ اپنے عزیزوں اور قریب ترین تعلقات رکھنے والوں سے بھی یہ نہیں کہا، نہ ہندوستان بھر میں کسی ایک شخص کو بھی خط لکھا کہ تم میری آواز پر لبیک کہو۔ میری حیثیت ایک موذن کی سی تھی جو نماز کا وقت دیکھ کر حی علی الصلوٰۃ کی صدا بلند کرتا ہے۔ ظاہر ہے، موذن کا یہ کام تو نہیں ہے کہ اذان دے کر ایک ایک شخص کے پیچھے بھی دوڑتا پھرے۔ اس کا کام بس وقت پر فرض کی طرف دعوتِ عام دے دینا ہے۔ پھر جس جس میں احساس فرض ہوتا ہے وہ آپ آتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ جو لوگ واقعی بے تاب تھے، جن میں واقعی تڑپ اور لگن تھی انہوں نے خود اس پکار پر لبیک کہا۔ ان میں سارے کے سارے کم رتبہ لوگ ہی نہ تھے بلکہ وہ بھی تھے جن کو اللہ نے اچھی خاصی نام وری دے رکھی ہے۔ ان میں سب وہی نہ تھے جو پہلے سے میرے ہم خیال رہے ہوں، بلکہ وہ بھی تھے جو پہلے علانیہ پبلک میں مجھ پر سخت نکتہ چینی کر چکے تھے، جن سے میرا اختلاف کچھ ڈھکا چھپا نہ تھا۔ جب تک ان پر میرا مقصد پوری طرح نہ کھلا تھا انہوں نے برملا میری مخالفت کی۔ جب ان پر یہ بات کھل گئی کہ میں اُسی مقصد کے لیے کام کرنا چاہتا ہوں جس کے وہ خود تمنائی تھے تو ان سچے حق پرستوں نے اس بات کا ذرا خیال نہ کیا کہ کل جس کی مخالفت کر چکے ہیں آج اس سے جا ملتے ہیں انکی سبکی ہوگی۔ کوئی انفۃ اور حمیت جاہلیہ اور انانیت و نفسانیت انکو یہ کہنے سے باز نہ رکھ سکی کہ جب تم اقامتِ دین حق کے لیے سعی کرنا چاہتا ہے تو ہم تیرے ساتھ ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب دوسری طرف دیکھیے کہ جو حضرات وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کے بمصداق ایک مدت سے اسی نوعیت کی ایک چیز کے لیے تمنائیں ظاہر کر رہے تھے، جو خود پتے نشان دے دے کر نبار رہے تھے کہ ایسی ایک چیز درکار ہے، اور جنہوں نے اپنے اس مطلوب محبوب کی طرف عملاً خود کوئی اقدام نہ فرمایا تھا، اُنکے سامنے جب ایک دوسرے شخص نے وہی چیز پیش کی تو انہوں نے کیا کیا۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں ۲۶ مئی ۱۹۴۱ء کو محرم کا وہ پرچہ شائع ہوا تھا جس میں میں نے اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے عملی کام کا نقشہ پیش کیا تھا۔ اِن حضرات کی خدمت میں "ترجمان القرآن" ہمیشہ حاضر ہوتا ہے۔ نظر مبارک سے یہ پرچہ بھی ضرور گذرا ہوگا۔ مگر کوئی ہمدردانہ مشورہ، کسی غلطی یا فروگذاشت پر تنبیہ، حتی کہ اِس سعی کے ساتھ کسی دلچسپی کا اظہار تک نہ فرمایا گیا، نہ میرے پیش کردہ نقشہ پر کوئی تنقید کی گئی۔ میں غلط بنیاد پر تعمیر شروع کر رہا تھا تو یہ نہیں بتایا گیا کہ اس میں یہ غلطی ہے اور صحیح یوں ہے۔ میرے متعلق اگر یہ گمان تھا کہ انکی بات نہ سنونگا تو انکے پاس اخبار اور رسالے موجود تھے۔ میری تجویز پر علمی تنقید فرما سکتے تھے اور بندگان خدا کو غلط راستے سے خبردار کر کے صحیح راستہ بتا سکتے تھے۔ مگر ایسا نہ کیا گیا۔

اسکے بعد ۱۸ جولائی کو ماہ صفر کا "ترجمان القرآن" شائع ہوا جس میں دعوتِ عام دی گئی تھی اس کا جو جواب اُدھر سے ملا وہ یہ تھا کہ ۲۸ جولائی کے "صدق" میں شاہ نذیر احمد صاحب کا وہ مراسلہ شائع فرمایا گیا جس میں میرے متعلق یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ میں اس وقت ٹھیک اُس مقام پر ہوں جہاں اب سے پچاس پچپن برس پہلے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تھے۔ اگر "ترجمان القرآن" کے دریاباد تک پہنچنے اور پھر "صدق" کے کتابت و طباعت کی منزلوں سے گذرنے کی مدت نکال دی جائے تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جناب مولانا عبدالماجد صاحب نے اس دعوت کی آواز سماعت فرمانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور عملاً مخالفت شروع کر دینے کے درمیان پورا ایک ہفتہ بھی غور و تأمل میں صرف نہ فرمایا۔ بالفرض اگر میری دعوت مشتبہ بھی تھی (اور زیادہ سے زیادہ وہ اس کو مشتبہ ہی کہہ سکتے ہیں، صریح دعوتِ ضلالت ہونے کا ثبوت تو اب بھی انکے پاس نہیں ہے) تو کیا اعلائے کلمۃ اللہ کی لگن اور تڑپ رکھنے والے لوگ ایک ایسی سعی کے معاملہ میں، جسکے اندر محض برسرِ باطل ہونے ہی کا نہیں بلکہ کچھ برسرِ حق ہونے کا امکان بھی ہو، بالفعل مخالفت شروع کر دینے کا فیصلہ اتنی ہی عجلت کے ساتھ کیا کرتے ہیں؟

اس دعوت کے آغاز سے کچھ ہی مدت پہلے تک مولانا مدظلہٗ اس خاکسار کے متعلق جو خیالات ظاہر فرماتے رہے ہیں اسکے اعادہ کی یہاں حاجت نہیں۔ "پیغام" اور "صدق" کے گذشتہ سات آٹھ برس کے فائل گواہ ہیں کہ یہ ہیچ میرز انکی نگاہ میں کیا تھا۔ پھر جو لوگ میرے ساتھ ہیں، محمد منظور صاحب، امین احسن صاحب، ابوالحسن علی صاحب، سید صبغۃ اللہ صاحب، مسعود عالم صاحب، سید محمد جعفر صاحب، ان میں سے کون ایسا ہے جسکے متعلق کوئی اللہ کا بندہ اللہ کو سمیع و بصیر سمجھتے ہوئے یہ کہہ سکتا ہو کہ یہ لوگ کبھی اہل زیغ و ضلال میں سے رہے ہیں، یا فتنے کی طرف کبھی ان کا میلان رہا ہے، یا علمی و عملی بدراہیوں میں یہ بھٹکتے رہے ہیں۔ طبقۂ اولیٰ میں نہ سہی، طبقۂ ثانیہ میں تو شائد ان لوگوں کا شمار اس وقت ہندوستان کے بہترین اشخاص میں ہو سکتا ہے۔ پھر جس عقیدے، جس نصب العین، اور جس نظام جماعت پر ہم نے کام کی بنیاد رکھی ہے اور جماعت کی تشکیل کے لیے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس میں جزئی فروگذاشتیں ممکن ہے کہ ہوں، مگر غالباً کسی صریح ضلالت کی نشان دہی تو نہیں کی جا سکتی۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ اگر چند ایسے آدمی جو پہلے سے خود آپ کی نگاہ میں قابلِ اعتبار رہے ہیں، اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کوئی اقدام کریں تو اس میں فتنہ کا شبہ کرنے کے لیے خواہ کتنی ہی گنجائش ہو، کیا اسکے برسرِ حق ہونے کا سرے سے کوئی امکان ہو گا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی نہیں؟ ضد اور ہٹ دھرمی کی بات تو دوسری ہے، اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ہم اپنی آبائی جائداد کا مقدمہ لڑنے نہیں اٹھے ہیں بلکہ اُسی حق کی سربلندی چاہتے ہیں جو آپکی نگاہ میں بھی حق ہی ہے تو اس میں قدم قدم پر ضد کا آخر کونسا موقع ہے۔ پس اگر ہٹ دھرمی سے کام نہ لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ ہمارے اقدام کو مشتبہ ہی کہا جا سکتا ہے، قطعاً باطل نہیں کہا جا سکتا۔ پھر کیا خدا سے ڈرنے والے نفوس زکیہ کا یہی کام ہے کہ جس سعی میں خیر و صلاح کا کچھ بھی امکان پایا جاتا ہو، اسکی مخالفت میں اتنی جلد بازی دکھائیں؟

اس سوال کو یہیں چھوڑیئے، اور تاریخی سلسلۂ بیان کے ساتھ آگے چلیے۔

۱۸ر جولائی ۱۹۴۱ء کے "صدق" میں شاہ نذیر احمد صاحب کا مذکورۂ بالا مراسلہ شائع تو کر دیا گیا، مگر اُس وقت تک مولانا اسکے لیے تیار نہ تھے کہ جس شخص کو اب تک قامع فتن کہتے رہے ہیں اُسے اب یکایک منبع فتن قرار دے دیں چنانچہ اس خط پر جو نوٹ انہوں نے تحریر فرمایا اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"صدق میں اسکے شائع ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خود صدق کو بھی اس سے لفظاً لفظاً اتفاق ہو۔ خصوصاً جہاں مولانا کی مثال مرزا صاحب قادیانی سے دی گئی ہے وہ مقام تو بہتوں کو کھٹکے گا۔ اور یوں بھی مولانا اب تک جو گراں بہا دینی خدمات انجام دے چکے ہیں ان کے لحاظ سے ان پر کوئی نکتہ چینی کرتے قدرۃً دل دُکھتا ہے"۔

میں نہیں کہتا کہ مولانا کا مقصد یہ تھا، مگر بالفعل اس کا حاصل یہی نکلا کہ میری طرف سے دلوں میں ایک خطرناک وسوسہ بھی ڈال دیا گیا اور اس وسوسہ کی اشاعت کرنے والے بزرگ خود

(بقیہ بر صفحہ ۹۱)

© rasailojaraid.com